قومی مفاہمتی عمل، دائرہ محدود کیوں؟

تحریر: ڈاکٹر اسرار احمد (بانی تنظیم اسلامی)

مملکت خداداد پاکستان کے قیام کو ساٹھ سال ہو گئے مگر یہ ملک بدقسمتی سے ہمیشہ نئے نئے گردابوں اور بحرانوں میں گھرا رہا ہے۔ اس خطہ ارضی کو نہ تو کبھی معاشی طور پر خود کفالت حاصل ہو سکی، نہ ہی معاشرتی سطح پر سکون اور نہ ہی سیاسی سطح پر استحکام نصیب ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی سیاسی پنڈت اسے Faild State قرار دینے پر کمربستہ ہیں۔ جبکہ دوسری جانب اندرونی سطح پر نت نئے تجربے کیے جانے کا عمل مسلسل جاری وساری ہے۔ اندرونی سطح پر ہونے والے تجربات کے نتائج ہمیشہ ہی الٹ نکلے ہیں اور اس کی وجہ ہمارے لیڈروں کے قول وفعل کا تضاد ہے مثلاً جمہوریت کا راگ الاپنے والوں نے کبھی خود جمہوریت نوازی کا ثبوت نہیں دیا جبکہ دوسری جانب اقتدار پر ''نجات دہندہ'' بن کر شب خون مارنے والوں نے قوم کو نجات دلانے کی بجائے عذاب ہی دیا ہے اور اس کھیل کے نتیجے میں 14 اگست 1948ء کو قائم ہونے والا ملک 16 دسمبر 1971ء کو دولخت ہو گیا۔ اتنے بڑے سانحے سے ہم کوئی سبق سیکھتے مگر ہمارا چلن وہی ہے اور ملک ایک مرتبہ پھر بہت بڑے بحران سے دوچار ہے۔ موجودہ حالات میں بحران کا حل جنوبی افریقہ کی طرز پر ''قومی مفاہمت'' کے عمل کو قرار دیا گیا۔ جنوبی افریقہ میں نیلسن منڈیلا نے سفید اور سیاہ فام عوام میں رنگ ونسل کی بنیاد پر قائم نفرتوں کی دیواروں کو ڈھانے کے لیے ایک اصطلاح Truth Reconcilition یعنی سچی مفاہمت وضع کی اور اس کے لیے ایک کمیشن تشکیل دیا جس کے روبرو ہر شخص نے رضا کارانہ طور پر پیش ہو کر اپنی زیادتیوں اور گناہوں کا اعتراف کیا اور اس کمیشن کے سامنے پیش ہونے والوں کی احساس گناہ سے ہچکیاں بندھ گئیں اور دوسری جانب مظلوموں نے اپنے ساتھ روا رکھے جانے والے مظالم کا تذکرہ کر کے اپنے بوجھل دلوں کو ہلکا کیا اور یوں رنگ ونسل کی نفرتوں میں گھرا ہوا جنوبی افریقہ کا معاشرہ اپنے ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر روشن مستقبل کی راہ پر گامزن ہو گیا۔ ہمارے ہاں بھی اسی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے ماضی کی سیاسی تلخیوں کو بھلانے کے عمل کا آغاز کیا گیا ہے۔ مگر اس کا دائرہ کار بہت محدود ہے مثلاً پیپلز پارٹی کے قائدین کے تمام مقدمات کو واپس لے لیا گیا ہے اور یہ مقدمات اندرون اور بیرون ملک بھی تھے جبکہ دوسری جانب اس مفاہمتی عمل کا سب سے بڑا فائدہ متحدہ قومی موومنٹ کو حاصل ہوا ہے۔ ان کے علاوہ دوسری سیاسی جماعتوں، بیوروکریٹس اور فوجی افسران نے بھی اس مفاہمتی عمل سے بپتسمہ لے کر اپنے آپ کو ''پاک'' کروایا ہے۔ مگر حیران کن بات ہے کہ اس مفاہمتی عمل سے قبائلی اور بلوچی علاقوں کے عسکریت پسندوں کو کیوں دور رکھا جا

رہا ہے۔نئی حکومت نے اقتدار میں آنے کے بعد جب قبائلی عسکریت پسندوں سے مذاکرات کا عندیہ دیا تو جواب میں قبائلی عسکریت پسندوں کی جانب سے مثبت ردعمل دیکھنے میں آیا اورانھوں نے اپنی تمام کارروائیوں کو روک کرحکومت کی جانب تعاون کا ہاتھ بڑھایا اور ثابت کر دیا کہ انکے کوئی مذموم مقاصد نہیں، ان کا ردعمل مشرف حکومت کی پالیسیوں کے خلاف ہے جو صد فیصد امریکہ نواز ہیں اور خودکش حملوں کی وجہ بھی امریکہ کے قبائلی علاقوں پر حملے تھے، جن کا الزام ہماری حکومت امریکی پریشر کی وجہ سے اپنے سر لے لیتی ہے۔ ماضی میں بھی قبائلی قائدین نے حکومت سے متعدد امن مذاکرات کیے مگر ہر بار افغان سرحد سے آنے والے امریکی میزائلوں نے اُسے ختم کر دیا۔اگر قومی مفاہمتی عمل میں ماضی کے ''سیکورٹی رسک'' میاں نواز شریف، بےنظیر بھٹو اور آصف زرداری کو معاف کیا جا سکتا ہے تو قبائلی عسکریت پسندوں اور مقامی طالبان کو معاف کیوں نہیں کیا جا سکتا۔کیا وہ ہمارے ملک کے شہری نہیں۔تاریخ بتاتی ہے کہ قبائلیوں نے ہمیشہ پاکستان سے وفاداری کی ہے مگر اس کے باوجود ان کے وجود کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ایسا ہی معاملہ بلوچ قبائلیوں کا ہے۔جن کے اندر عسکریت پسندی کے جراثیم کو ان کے علاقے کی ناگفتہ بہ حالت اور قومی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم نے جنم دیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان سے مذاکرات کرتے اس کے برعکس ہم نے آمرانہ لہجہ اختیار کیا اور دھمکی دی کہ ''اب 1971ء نہیں ہے، ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ گولی کہاں سے آئی ہے'' اور پھر ایسا ہی ہوا کہ غار میں اکبر بگٹی اور ان کے ساتھیوں کو میزائل مار کر ختم کر دیا گیا۔ وہ دن اور آج کا دن بلوچستان راکھ میں چھپا ہوا انگارا بنا ہوا ہے۔قبائلی علاقوں اور بلوچستان میں فوجی آپریشنز سے آج تک کوئی بھلا نہیں ہوا بلکہ بےنظر غائر دیکھا جائے تو ان علاقوں میں فوجی آپریشنز نے پورے ملک کو انگار وادی بنا رہا ہے۔ امید تھی کہ نئی کولیشن حکومت مشرف حکومت کی غلطیوں کو دہرانے کی فاش غلطی نہیں کرے گی اور وزیرستان اور بلوچستان کے قبائل سے مذاکرات کرے گی اور وزیراعظم نے اپنی افتتاحی تقریر میں مذاکرات کا تذکرہ بھی کیا مگر نجانے پھر کیوں مذاکرات کے عمل سے پیچھے ہٹ گئی اور صورتِ حال پھر ایک مرتبہ پہلے والی پوزیشن پر چلی گئی ہے۔

اگر سیاستدانوں کے ''گناہوں'' سے صرف نظر کیا جا سکتا ہے۔ 21 مئی 2007ء اور 9 اپریل 2008ء کو کراچی میں ہونے والی قتل وغارت کے واقعات بھلایا جا سکتا ہے تو پھر قبائیلیوں کی جانب دوستی کا ہاتھ کیوں نہیں بڑھایا جا سکتا۔

پیپلز پارٹی اور اس کی اتحادی جماعتیں جمہوریت کی چمپئین ہونے کی دعویدار ہیں مگر ان میں جرأت نہیں کہ وہ عوامی رائے کا احترام کریں۔ مثلاً 18 فروری کو ہونے والے انتخابات میں قوم کی اکثریت نے مشرف کی پالیسیوں اور ان کی باقیات کو مسترد کر دیا ہے مگر اس کے باوجود پیپلز پارٹی اور ان کے اتحادی انھیں پالیسیوں اور اور باقیات کے ساتھ حکومت چلانا چاہتے ہیں اور ستم تو یہ ہے کہ اتحاد کی سب سے بڑی جماعت پیپلز پارٹی صدر پرویز مشرف کے ساتھ تعلقات کو بھی قومی مفاہمت کا عمل ہی سمجھتی ہے اور ان کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانا چاہتی ہے۔ (شائع شدہ)